''گردشِ رنگِ چمن'': ایک جائزہ

ڈاکٹر شائستہ حمید خان
اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اُردو، جی سی یونیورسٹی لاہور

Abstract

"Gardash-e-Rang-e-Chaman" is a distinguished novel of Qurat-ul-Ain Haidar in which she talks about social changes. The incredible events of life are the main themes of Qurat-ul-Ain man has been kept active on different plains of reality such as social, philosophical and mystical. It's the heartrending tale of a brothel. This novels moves back and ferth betnecer fast and present and extends into future. It's a story of many generations which are linked by history, culture and civilization and time.

اردو افسانے اور ناول کے افق پر قرۃ العین حیدر کی حیثیت ایک چمکتے ستارے کی سی ہے۔ قرۃ العین حیدر کو ادبی ذوق وشوق ان کے والد سے ورثے میں ملا ہے۔ قرۃ العین کی شخصیت بخود ایک عہد اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اور یہی عہد ان کے ناولوں میں نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر سہیل احمد خاں قرۃ العین حیدر کے تخلیقی ذہن کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''اردو ادب میں اتنا بڑا تخلیقی ذہن علامہ اقبال کے بعد مجھے تو اپنے طور پر قرۃ العین حیدر کا ہی نظر آتا ہے جو تاریخ اور تہذیب میں اتنی دور تک سفر کر رہی ہیں اور ایک تسلسل کے ساتھ افسانوں میں، ناولوں میں انہوں نے اس تہذیب کی گہری سطحوں کو تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔''[۱]

قرۃ العین حیدر کا ناول گردش رنگ چمن اپنے عنوان کے لحاظ سے ایک معاشرتی تغیر کو ظاہر کرتا ہے جو انسانی نفسیات پر پڑنے والے اثرات کے فنکارانہ کمال کی عکاسی ہے۔ ناول نگار نے اس پورے نظام اقدار کے زوال پر اپنی توجہ مرتکز رکھی ہے جس کی صحیح نمائندگی مسلمانوں کا اعلیٰ متوسط طبقہ کرتا ہے۔ اس ناول میں مغرب میں سکونت اختیار کرنے والے بعض افراد جن کا تعلق متوسط طبقے سے ہے کے زیر اثر نشو ونما پانے والی ایک نئی تہذیب کے اثرات اور اس معاشرے میں ایک نوجوان صوفی کے اعمال وافعال یعنی مراقبہ اور راہ سلوک کے مختلف مراحل کے حوالے سے اس زوال کی مایوسیوں، ناکامیوں اور اندیشوں کے ازالے اور تلافی کی صورتوں کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ ناول میں ہر کردار باری باری اپنا تعارف کرواتا ہے اور اس کی بنت کا حصہ بنتا چلا جاتا ہے۔

گردش رنگ چمن کے کینوس کا اگر جائزہ لیا جائے تو اس میں ۱۸۵۲ء کے بعد کے حالات کا سفر اور ۱۹۸۲ء تک کے حالات و واقعات موجود ہیں۔ یہ بہت بڑا کینوس ہے۔ کئی نسلیں ہیں جو اس کینوس میں اُبھرتی اور زوال پذیر ہوتی نظر آتی ہیں۔ ناول نگار نے اس ایک کتاب کے اندر اتنے اسالیب کو کھپا دیا ہے کہ آج تک شاید ہی کسی اور لکھنے والے کے ہاں نظر آئے۔ گردش رنگ چمن ایک ایسا ناول ہے جو ایک بار پڑھنے سے گرفت میں نہیں آتا۔ اس ناول میں قاری کو بہت سی جہتیں ملتی ہیں مثلاً تاریخی شعور اور تاریخی شعور کی بالغ نظری، جس طرح اس ناول میں ابھر کر سامنے آتی ہے، اردو ناول میں پہلے نہیں ملتی۔ قرۃ العین حیدر اس ناول کو نیم دستاویزی ناول قرار دیتی ہیں۔

میاں صاحب ہماری سوسائٹی کا ایک بڑا حصہ ہیں جن کا ہماری خاندانی اور اجتماعی زندگی میں ایک اہم رول ہے، کو پیش کیا گیا ہے۔ اس ناول میں لکھنؤ، ماڈرن لکھنؤ، یو پی اور اودھ کے لوگوں کو پیش کیا گیا ہے اور یہی طبقہ وقتاً فوقتاً میاں صاحب کے گھر آتا جاتا ہے۔ دوسری طرف مغل شہزادیوں کے غدر کے بعد کے حالات کو موضوع بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ اس ناول کے تین بڑے کردار تین بہنیں ہیں جو طوائفیں ہیں اور حالات کی ستم ظریفی کے باعث اپنے اپنے Guilt کو لیے زندگی گزار رہی ہیں۔ ناول نگار نے اس پورے نظام اقدار کے زوال پر اپنی توجہ مرتکز رکھی ہے جس کی صحیح نمائندگی مسلمانوں کا اعلیٰ متوسط طبقہ ہے۔ اس زوال آمادہ تہذیب کے نظام مراتب پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ نوابین طوائفوں کی سرپرستی و اعانت کرتے تھے اور اس کے طوائفوں کی آئندہ آنے والی نسلوں پر گہرے اثرات پڑے، جسے ناول میں غیر جذباتی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ یہاں جسموں کی تجارت پر ندامت سے عاری مسرت کا اظہار نہیں ہوتا بلکہ یہ پورا دھندہ تذلیل آمیز اور ترحم انگیز ہے۔ خواہشاتِ نفسانی کے اسیر راجاؤں نوابوں اور باثروت افراد کے ہاتھوں جنسی استحصال کے مختلف مناظر پیش کیے گئے ہیں۔

ناول میں یہ بھی باور کروانے کی کوشش کی گئی ہے کہ مردوں کی بالادستی پر قائم معاشرے میں خوب صورت اور جوان عورت کا مقدر آخر کار اشیائے صرف کی طرح استعمال ہونا ہے۔ جس کے باعث ناول میں بیان کردہ تجربے کی مختلف النوع جہتوں کا بتدریج سراغ ملتا ہے اور ان میں ایک نوع کی ہم آہنگی کا بھی احساس ہوتا ہے اور پورا ناول اسی پر بنیاد کرتا ہے۔ ڈاکٹر ممتاز احمد خان ''گردش رنگ چمن'' کے بارے میں رقمطراز ہیں:

> ''گردش رنگ چمن کا فکری کینوس بہت زیادہ وسیع ہے خاص طور پر نوجوان پیر کے حوالے سے سلسلہ ہائے صوفیہ پر جو مختلف زاویوں سے روشنی پڑتی ہے اور جس طرح سائنس اور مذہبی عقیدے کا ٹکراؤ سامنے آتا ہے اور یقین و غیر یقین کا متوازی سفر طے ہوتا ہے وہ اس ناول کو بڑے ناولوں کی فہرست میں شامل کر دیتا ہے۔''[۲]

اس ناول میں اٹھائے گئے مباحث کے ساتھ ساتھ اس کا بالخصوص رنگ چمن کی گردش کے حوالے سے انتہائی دلچسپ اور گہرائی سے معمور ماجرا اس ناول کو اس قابل بناتا ہے کہ اس کی ایک سے زیادہ بار غواصی کی جائے

ورنہ بھٹک جانے کا اندیشہ ہوگا۔ گردش رنگ چمن میں بظاہر دو کہانیاں یا دو ناول نظر آتے ہیں مگر غور سے دیکھا جائے تو یہ ایک ہی متحد ناول ہے جس میں ماضی حال سے جڑ کر مستقبل کا پتا دیتا ہے اور ایسا وزن بھی پیدا ہوتا ہے جس پر ہم تا دیر غور و خوص کر سکتے ہیں اور معنی کی تہیں بھی دریافت کر سکتے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ آگ کا دریا، کے قریب ہوتا نظر آ سکتا ہے تاہم اپنے فکر کی بے پایاں وسعت کی بنا پر آگ کا دریا کو وہ پیچھے چھوڑ کر آگے نہیں بڑھ سکتا۔

گردش رنگ چمن میں (Straight line story) نہیں ہے اس کے لیے خاصی ذہنی ریاضت کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس لیے کہ جہاں نواب بیگم کا گہرا پس منظر ہے وہیں دلنواز کا بھی پس منظر ہے پھر یہ سلسلہ دراز ہوتا ہوا ڈاکٹر منصور کاشغری، عندلیب، دلن میاں اور صاحب کرامت نوجوان پیر صاحب تک پہنچتا ہے۔ ناول نگار نے ماجرے کے مختلف و متضاد پہلوؤں کو زِگ زیگ انداز سے بیان کیا ہے۔ قاری کافی دیر بعد ماجرے کی کڑیوں کو جوڑ پاتا ہے۔ اسے ہم ماجرے کے اظہار کا جدید انداز بھی کہہ سکتے ہیں جو میرے بھی صنم خانے، سے شروع ہوا تھا۔

اگر ہم ناول کو ربط کے ساتھ سمجھنا چاہیں تو ہمیں سرائے طعرل بیگ چلنا ہوگا جہاں بقول مصنفہ بھیروں ماچ گیا اور دو مغل شہزادیاں دلنواز اور مہرو بے آسرا ہوئیں اور ایک ایسی گردش کا شکار ہوئیں کہ انہوں نے تصور بھی نہیں کیا ہوگا۔ ایسے لاکھوں بدنصیب ہونگے جو انگریزوں کے حوالے سے برپا دار و گھیر میں تباہ و برباد ہو گئے ہوں گے خاص طور پر لڑکیاں اس تباہی کا شکار ہوئیں۔ کیونکہ ان کی حرماں نصیبی انہیں عصمت فروشی کی منزل پر پہنچا کر ہی دم لیتی ہے جس کی وجہ سے انہیں سماج کی تلچھٹ (Scum of Society) کہا جاتا ہے۔ قرۃ العین حیدر نے گردش رنگ چمن میں اس تلچھٹ کے کئی رنگ دکھا کر عالمانہ سطح پر فکشن میں طنز کی وہ لکیر کھینچی ہے جس کے آر پار کھڑے قارئین اور نقاد کو ذہنی تلچھٹ لگنا ضروری ہے اور پھر یہ ناول عمرانی و سماجیاتی تاریخ کے اسکالرز کے لیے یہ موضوع عورت کے مقدمات کے حوالے سے مزید تحقیق کے دروازے کھولنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس لیے یہ بات انسان کے اختیار تک پہنچتی ہے کہ کیا وہ اپنا مقدر بنانے پر قادر ہے یا پھر یہ کہ کیا واقعات ہے کہ نہیں اور یہ کہ اسے لازمی طور پر زندگی کے تیز و تند دریا میں بپھرتی موجوں کے ساتھ نامعلوم منزلوں تک پہنچنا ضروری ہے خواہ حسب و نسب مٹ جائے اور ذلت کے ٹوکرے کو سر پر تاج کی مانند سجانا ضروری ہو جائے رنگ چمن کی گردش اس کو کہتے ہیں۔

انسانی زندگی میں ناقابل یقین اتھل پتھل قرۃ العین حیدر کا اہم موضوع ہے جس کے لیے وہ وقت (Time) کو قصوروار گردانتی ہیں۔ اپنے طویل ماجرے کو وہ تاریخ کے آئینے میں رکھ کر دیکھتی اور پرکھتی ہیں اور اس ذہنی ریاضت کو وہ تاریخیت کے نام سے تعبیر کرتی ہیں۔ گردش رنگ چمن کے کردار بھی اسی تاریخیت سے جڑے ہوئے ہیں ان میں سب سے پہلے دلنواز کا کردار سامنے آتا ہے۔ جو اپنی بہن مہرہ سے علیحدہ ہو کر چورن بیچنے والی جگن کے روپ میں ملتا ہے۔ دوسرا کردار وہ بدنصیب بچی نواب فاطمہ ہے جو مرزا دلدار علی برلاس کی لڑکی ہے جو دہلی میں پھیلے ہیضے کا شکار ہو جاتے ہیں اور اس بچی کو پیش کار سبط حسن کے حوالے کر جاتے ہیں۔ پیش کار سبط حسن، دلدار علی برلاس مرحوم کے مال پر قبضہ کر کے تبادلے کا بہانہ بنا کر نواب فاطمہ کو ایک تاجر کے حوالے کر کے غائب ہو جاتا ہے

جہاں اس بچی کا استحصال ہوتا ہے اور بعد میں کسی طرح سے وہ بچی اپنی جان بچا کر چورن بیچنے والی مغل شہزادی دلنواز کے ساتھ اجمیر والوں کے مزار پر آ جاتی ہے تا کہ وہ شیخ عبدالباسط کے گھر والوں کے شر سے محفوظ رہ سکے۔ ڈاکٹر فاروق عثمان قرۃ العین حیدر کے تصورِ وقت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''قرۃ العین حیدر کے ہاں وقت کا شعور ایک تسلسل کے احساس کے ساتھ اس طرح جاری ہے کہ ان کی تمام تخلیقات میں یہ موقع اور محل کے مطابق کبھی پیش نظر میں ایک بہتے ہوئے دھارے کی صورت اور کبھی پس منظر میں ایک سائے کی طرح موجود رہتا ہے۔ اس حوالے سے جن چیزوں کو ان کے فکری نظام میں زبردست اہمیت حاصل ہوئی ان میں سے ایک موت (فنا) اور دوسرا تاریخیت کے شعور کا نئی نسل میں منتقل ہوجانا ہے۔''[۳]
>
> قرۃ العین حیدر کے کردار ان کے نظریۂ وقت اور تاریخیت کا پالن کرتے نظر آتے ہیں۔ دلنواز کی بہن مہرو جو اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی ایک بار خوب کہتی ہے۔''......واقعات پر ہمارا قابو نہیں ہے رائے صاحب''[۴]

وقت کا تسلسل کرداروں کی زندگیوں میں یوں سمو جاتا ہے جس طرح چینی پانی میں تحلیل ہوتی ہے۔ نواب بیگم کی راحت بائی نے اودے پور میں تربیت کرائی، دور دور سے اس کے پیغام آنے لگے۔ لاہور میں اس نے موسیقی کی کانفرنس میں شرکت کی وہ درباروں میں بلائی جانے لگی۔ فوٹوگراف ریکارڈوں کے خاکی پیکٹوں پر ان کا فوٹو چھپنے لگا اور وہ مہاراجا جے پور ٹھاکر مہیشور سنگھ کے یہاں آ گئیں جنہوں نے علیحدہ مکان لے کر دیا۔ خرچے اور نخرے اٹھائے۔ نواب بیگم کی زندگی میں موڑ آتے گئے۔ کرنل ڈالٹن جو مغل تصاویر کا عاشق تھا، ٹھاکر مہیشور سنگھ سے ملا کہ ان کی نادر تصاویر دیکھے۔ اس کے ساتھ بیلجم کا فوٹوگرافر آندرے رینال بھی تھا۔ اس کا نواب بیگم سے آمنا سامنا ہو گیا اور تعلق قائم ہو گیا۔ ادھر ٹھاکر مہیشور سنگھ جو قرض کے جال میں بری طرح پھنس چکا تھا اچانک مر گیا۔ نواب بیگم موقع غنیمت جان کر کلکتہ بھاگ نکلیں۔ آندرے رینال کو اس سے قبل انہوں نے خاصی دولت دے کر کاروبار قائم کرنے کے لیے پہلے ہی کلکتہ روانہ کر دیا تھا۔ آندرے وہاں اس میں ساری رقم ہار گیا اور نواب بیگم کی زندگی اب مصائب کی عبارت ہو جاتی ہے لیکن عندلیب کی زندگی کو سنوارنا اس کا اولین مقصد بن جاتا ہے۔

چمن کی گردش پلٹا کھاتی ہے اور عندلیب کی کہانی منظرِ عام پر آتی ہے۔ ماسٹر مشکور حسین عندلیب کو پینٹنگ سکھانے آتے ہیں اور شادی کر لیتے ہیں جس کا انجام طلاق کی صورت میں ہوتا ہے۔ نواب بیگم کا انتقال ۱۹۴۵ء میں کینسر کی وجہ سے ہو جاتا ہے۔ عندلیب ڈانسر بن جاتی ہے چونکہ ماں نواب بیگم آخری عمر میں حد سے زیادہ مذہبی بن جاتی ہیں اس کے ردِعمل میں عندلیب ڈانسر بن جاتی ہیں۔ عندلیب کی بیٹی عنبر بیگ نے کافی دنیا گھوم لی اور اعلیٰ تعلیم حاصل کی اب ڈاکٹر منصور کاشغری کی دوست تھی اور وہ عندلیب اور ان کی ماں یعنی اپنی نانی نواب بیگم کی زندگیوں پر

گہرا طنز کرتی ہے۔ اسے اپنے تشخص کا گہرا دکھ ہے۔ وہ سوچتی ہے کہ وہ امبا پرشادی کی لڑکی ہے یا ماسٹر مشکور حسین کی۔ اس کے نزدیک اعلیٰ نصبی کا نہ ہونا زندگی میں سب سے بڑی محرومی کا درجہ رکھتی ہے۔ ایک دن وہ بڑے دکھ سے ڈاکٹر کاشغری کو بتاتی ہے کہ ایک سے ایک نامعقول لوگوں کی ناجائز اولاد ہونا اس کی قسمت میں لکھا ہے۔

چونکہ اس ناول کی اصل روح کی تفہیم کے لیے اس کی کہانی کو سمجھنا ہے اس لیے ایک اور خاندان یعنی نگار اور شہسوار کے خاندا نکے بارے میں پتہ ہونا بھی از بس ضروری ہے جو کہ اپنی پبلسٹی کے لیے جعل نقادوں اور گھٹیا ادبی پرچوں کے دولت کے لالچی ایڈیٹروں سے رابطوں کے لیے مشہور ہیں۔ اس ناول میں یہ خاندان ان نو دولتیوں کی نمائندگی کرتا ہے جو غربت میں پس کر دولت ہاتھ آ جانے سے چھچھور پن، جھوٹ کذب بیانی کا علمبردار ہے۔ دراصل معاشرے پر تاریخ کے حوالے سے طنز قرۃ العین حیدر کے فن کا وطیرہ ہے۔ ہاؤسنگ سوسائٹی ناولٹ سے لے کر گردش رنگ چمن'' تک اس طنز کی کاٹ گہری ہوتی چلی جاتی ہے۔ اگر ایک طرف کے قدیم ترین ادارے کی تشکیل اور پھر اس کے بلا روک ٹوک تسلسل پر معاشرے کی کمزور اور خراب روایات پر طنز کرتی نظر آتی ہیں تو دوسری طرف ان کا ہدف وہ لوگ بھی ہیں جن کی زندگیاں وہم و توہمات مزار پرستی اور صاحبان کرامات کے ذریعے زندگی بنانیا ور خواہشات کی تکمیل کرانے میں بسر ہو جاتی ہے۔ جو طبعیات کو جگہ مابعد الطبعیات کے ہاتھوں شکست دیتے نظر آتے ہیں۔ اس ناول کے دو نمائندے ہیں ایک کنور سٹینڈی (کنور نرائن سنگھ) جو بین الاقوامی فراڈ دلشاد علی خان عرف دلن میاں کے گہرے دوست ہیں دوسرے خود دلن میاں ہیں جو رند کے اندر رہتے ہیں اور اچانک چولا بدل کر جنت کے بھی حق دار قرار پائے ہیں اور یہ کہ کر کچھ پیر صاحب کی کرامت کی بدولت ہوتا ہے۔ بہت سے لوگ بشیر صاحب کیکردار کو فالتو قرار دیتے ہیں لیکن یہ کردار مصنفہ کا پسندیدہ ہے۔ پیر صاحب کا کردار دوسرے ناولوں کے کرداروں سے مختلف ہے ان کی گفتگو کا اگر جائزہ لیا جائے تو قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ اور دیگر صوفیائی سلسلے تو شاید لوگ اپنی رائے بدلنے پر مجبور ہو جائیں۔

دراصل ناول میں بتایا گیا ہے کہ بڑے بڑے لوگ، ہندو، مسلمان، سکھ، بیگمات، دانیاں بوڑھے، نوجوان، غریب ہفتوں ان کی خانقاہ میں انتظار میں پڑے رہتے ہیں۔ میاں خدمت خلق کے لیے جیتے ہیں میاں صاحب کے کردار کے حوالے سے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ناول نگار کو یہ کردار ذاتی طور پر پسند ہے۔ میاں صاحب گفتگو میں سب کو لاجواب کر دیتے ہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر ممتاز احمد خاں لکھتے ہیں:

> ''پانچ سال کی عمر میں دستار بندی ہوئی تھی مگر وہ ''قطب الاقطاب'' گردانے جاتے ہیں، انکے پاس علم لدنی ہے! انہیں بیک وقت کئی مسجدوں میں نماز پڑھتے دیکھا گیا ہے، میاں کی معلومات کا جواب نہیں۔ وہ کرکٹ کی کمنٹری تک سنتے تھے۔ جو گنگ کرتے تھے ان کی کرامات کا ایک زمانہ معترف ہے۔ ان کی خانقاہ میں عجیب وغریب قسم کے کردار موجود ہیں۔ ایک دانشور نے دلن میاں

کے سامنے اعتراف کیا کہ آپ کے مرشد سے ملنے کے بعد یہ خیال ستا رہا ہے کہ ہماری عقل و دانش علم و تبحر، علمیت اور نظریات کس قدر ناکافی اور حقیر ہیں۔''۵

دیکھا جائے تو اس ناول میں دلنواز اور نواب بیگم کے بعد میاں اور دلشاد میاں ناول کے آخری حصے پر غالب ہیں ناول میں قسمتوں کی گردش سے انسانوں کی زندگی بدل جانے نو دولتیے لوگوں کے عروج، طبعیات پر مابعد الطبعیات کا غلبہ، تشخص کا بحران اور معاشرے کی کایا کلپ وغیرہ کے پہلو ایک دوسرے سے جڑے ہوئے نظر آتے ہیں اور یہ ہی برصغیر کی تاریخ کا ایسا لازوال ڈرامہ ہے جو اب بھی کھیلا جا رہا ہے اور اس میں کردار بڑھتے چلے جا رہے ہیں اور کہانی طویل سے طویل تر ہوتی جا رہی ہے۔ یہ ناول آگ کے دریا ہی کی طرح کچھ ایسی ماجرائی کیفیت کا حامل ہے کہ اس پر تا دیر بات ہو سکتی ہے۔ ناول میں مصنفہ نامیاتی و نباتی کائنات اور حیات انسانی کو منسلک کرنے والی ایک کڑی کے وجود کی قائل ہے، چنانچہ ناول میں گرد و پیش کی دنیا کے سحر انگیز حسن کو فنکارانہ شعور اور چابک دستی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

گردش رنگ چمن ایک ایسا ناول ہے جس میں انسان کو حقیقت کی مختلف شکلوں مثلاً سماجی فلسفیانہ اور متصوفانہ کے علاوہ حیرت انگیز سطحوں پر سرگرم عمل دکھایا گیا ہے یہ طوائفوں کے ایک گھرانے کی مدلل اور دل سوز دستاویز ہے۔

قرۃ العین حیدر کے ہاں شعور کی رو کا بہت استعمال ہوا ہے اور ناول میں بھی انہوں نے اس سے بڑا کام لیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ناول میں دستاویزات کے ذریعے حقائق پیش کئے گئے ہیں لیکن ان مختلف واقعات اور سانحوں کو جوڑنے میں شعور کی رو سے بڑا کام لیا ہے۔ ابن سعید اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''چیزوں کی ظاہری ہیئت کو دیکھنے کے علاوہ ان کی ماہیت کو داخلی طور پر محسوس کرنے کی عادی ہیں۔ شاید انکی قوت باصرہ اور قوت سامعہ دونوں بہت غیر معمولی طور پر حساس واقع ہوئی ہیں ایک طرف تو اس کی قوت باصرہ رنگوں اور شکلوں اور خطوں کی کیفیت اور ہم آہنگی کو اپنے میں جذب کرنے پر تلی رہتی ہے اور دوسری طرف اس کی قوت سامعہ آوازوں کی کیفیت اور زیر و بم اور داخلی موسیقی پر مرکوز رہتی ہے۔ شعور کی رو کے لیے ان سادہ کیفیات کا ہونا ضروری ہے۔''۶

قرۃ العین حیدر نے مغربی روایات کو بڑی خوبصورتی سے مشرقی روایات میں سمو دیا ہے۔ ان کے ناولوں کا فن ناول نگاری کی اس جدید روش کا بڑا کامیاب نمونہ ہے۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ قرۃ العین نے ناول کو جدید فن کی خوبیوں سے معمور کیا ہے۔ وہ شعور کی رو کی تکنیک ہی نہیں بلکہ ان کی فطرت کو بھی اس کی تکنیک سے مناسبت ہے۔ گردش رنگ چمن میں شعور کے ساتھ ساتھ ایک ڈرامائی عنصر بھی شامل ہے۔ یہ ناول ۱۸۵۷ء سے ۱۹۸۲ء تک پھیلا ہوا ہے۔ اس میں ماضی بھی ہے اور حال بھی جس کا سلسلہ مستقبل میں جا نکلتا ہے یہ کئی نسلوں کی کہانی ہے لیکن تاریخ، تہذیب اور وقت کا سفر ان کو ایک دوسرے سے جوڑتا ہے۔ معاشرہ بدلتا ہے لیکن جو چیز مستقبل ہے وہ

کرب کا لمحہ ہے جو اس وقت پیدا ہوا ہے جب فرد کے داخلی جذبات و احساسات ذہنی تصورات اور معاشرتی قدروں اور باہمی رشتوں کے درمیان تصادم ہے۔

تاریخ اور وقت کی ان دیکھی قوت کے آگے انسان مجبور ہے گردش رنگ چمن ان کیفیات کا مرقع ہے۔ ایک اعلیٰ درجے کا ناول جسے اردو ناول کی تاریخ میں ہمیشہ ایک منفرد مقام حاصل رہے گا۔

حواشی:

۱۔ عامر سہیل ''قرہ العین حیدر خصوصی مطالعہ''(مرتبہ) لاہور: بیکن ہاؤس، ص ا

۲۔ حسن ظہیر ''قرۃ العین حیدر اردو فکشن کے تناظر میں ''لاہور: انجمن ترقی اردو، ۲۰۰۹ء، ص ۲۲۱

۳۔ فاروق عثمان، ڈاکٹر، ''اُردو ناول میں مسلم ثقافت'' ملتان: بیکن ہاؤس، ۲۰۰۲ء، ص ۴۴

۴۔ قرۃ العین حیدر، گردشِ رنگِ چمن، کراچی: دانیال پبلشرز، ۱۹۸۷ء، ص ۶۱۱

۵۔ ممتاز احمد خاں، ڈاکٹر، ''آزادی کے بعد اُردو ناول: ہیئت، اسالیب اور رحجانات''، کراچی: انجمن ترقی اُردو، اشاعت اول، ۱۹۹۲ء، ص ۱۹۴

۶۔ عامر سہیل، سید، قرۃ العین خصوصی مطالعہ، (مرتبہ)، ص ۳۷۹

مآخذ:

۱۔ حسن ظہیر ''قرۃ العین حیدر اردو فکشن کے تناظر میں ''لاہور: انجمن ترقی اردو، ۲۰۰۹ء۔

۲۔ عامر سہیل ''قرہ العین حیدر خصوصی مطالعہ''(مرتبہ) لاہور: بیکن ہاؤس۔

۳۔ فاروق عثمان، ڈاکٹر، ''اُردو ناول میں مسلم ثقافت'' ملتان: بیکن ہاؤس، ۲۰۰۲ء۔

۴۔ قرۃ العین حیدر، گردشِ رنگِ چمن، کراچی: دانیال پبلشرز، ۱۹۸۷ء۔

۵۔ ممتاز احمد خاں، ڈاکٹر، ''آزادی کے بعد اُردو ناول: ہیئت، اسالیب اور رحجانات''، کراچی: انجمن ترقی اُردو، اشاعت اول، ۱۹۹۲ء۔

☆☆☆☆☆